ولی اورنگ آبادی

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے　　معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

میر

اس شعر میں میر نے جس باشندۂ دکن کو فرطِ محبت سے معشوق کہہ کے یاد کیا ہے اور جس کے کلام نے خود میر کے لفظوں میں انھیں ریختہ گوئی پر مائل کیا، وہ ولی دکنی ہیں۔ بے شک اردو شاعری ان کے احسان سے گرانبار ہے۔ انھیں نظم اردو کی نسل کا بابا آدم بھی کہا گیا اور ان کے سر پہ اوّلیت کا تاج بھی رکھا گیا لیکن یہ کہہ کر اس کی تردید بھی کی گئی کہ ولی سے پہلے اردو کے کئی شاعر گزرے اور ان میں صاحب دیوان بھی تھے۔ مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شمالی ہند میں اُردو شاعری کا چرچا ولی کا رہین منت ہے۔

ولی ۱۷۰۰ عیسوی میں دہلی آئے اور ادبی محفلوں میں عوامی زبان میں کہے گئے اپنے شعر سنائے تو اہل محفل کو ایک مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ بول چال کی جس زبان کو وہ حقارت سے ریختہ کہتے تھے اس میں ایسے دلکش شعر بھی کہے جا سکتے ہیں۔ یہیں ان کی ملاقات صوفی سعد اللہ گلشن سے ہوئی۔ انھوں نے فارسی کے شیریں الفاظ استعمال کرنے اور فارسی شاعری کے مضامین کو اپنی زبان میں ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ دونوں باتیں ان کے دل کو لگیں۔ دکن واپس جانے کے بعد ولی نے ان مشوروں پر عمل جاری رکھا اور انیس سال بعد جب ان کا دیوان دہلی پہنچا تو بقولِ آزاد ــــــ

"اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا۔ قدردانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا۔ لذت نے زبان سے پڑھا۔ گیت موقوف ہو گئے۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہی کی غزلیں گانے بجانے لگے۔ اربابِ نشاط یاروں کو سنانے لگے۔ جو طبیعت

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

موزوں رکھتے تھے انھیں دیوان بنانے کا [illegible]

اور کیوں نہ ہوتا ولی کا دیوان ایسی دلکش غزلوں کا مجموعہ ہے کہ دل اس پر مائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ولی بنیادی طور پر حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ محبوب کے حسن و جمال کا ذکر، اس کے قد و قامت کا بیان، اس کی مختلف اداؤں کی تصویر کشی، ان کی شاعری کے خاص مضامین ہیں۔ کبھی انھیں وہ تنہائی کی رات یاد آتی ہے جب ان کے اور محبوب کے درمیان سرگوشی کے انداز میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی تھیں۔ کبھی یاد آتا ہے کہ وہ خراماں خراماں ان کے گھر چلا آتا تھا۔ کبھی یاد آتا ہے کہ وہ ولی سے مخاطب ہوتا تو رقیب رشک سے جل مرتے تھے۔

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں — خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ
ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ
ولی سوں کہے تو اگر اک بچن — رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

معاملاتِ حسن و عشق میں بھی جو موضوع انھیں سب سے زیادہ عزیز ہے وہ ہے محبوب کا سراپا۔ وہ اس کے ایک ایک انگ کا جلوہ سو سو رنگ سے دکھاتے ہیں۔ اس کی زلف، چشم و ابرو، لب و رخسار، قد و قامت کا بیان بار بار لطف لے کے کرتے ہیں۔ ان کے دیوان کا ہر صفحہ اس بیان سے رنگین ہے۔ صرف چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

موجِ دریا کوں دیکھنے مت جا — دیکھ اس زلفِ عنبریں کی ادا
اے ولی دل کوں آب کرتی ہے — نگہِ چشمِ سرمگیں کی ادا

مکھ ترا آفتاب محشر ہے — شور اس کا جہاں میں گھر گھر ہے

ماہِ نو تجھ بھواں پہ کر کے نظر — سوے مغرب چلا ہے رو بہ قفا

ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی — آرسی کوں درسِ حیرانی ہنوز
تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہو رہا — مو قلم ہے ہاتھ میں مانی ہنوز

وہ ناز میں ادا میں اعجاز ہے سراپا — خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا
جگ کے ادا شناساں ہے جن کی فکر عالی — تجھ قد کوں دیکھ بولے یو ناز ہے سراپا

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

مختصر یہ کہ ولی کو اپنے محبوب کا سراپا انوری کا مکمل قصیدہ نظر آتا ہے ـــــ

تو ن تو سر سوں قدم تک اے شوخ گویا ہے قصیدہ انوری کا

ولی کی عشقیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت اس کا نشاطیہ عنصر ہے۔ وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ـــــ

ولی وصل و جدائی سوں صنم کی کبھو صحرا کبھو گلزار ہیں ہم

لیکن ہجر کا یہ ذکر تو بس یونہی لطفِ بیان کے لیے ہے۔ ورنہ اصلیت تو یہ ہے کہ وہ وصال کے شاعر ہیں اور ہر وقت گل و گلزار کی طرح شگفتہ و شاداب رہتے ہیں۔

ولی عشق پیشہ ہیں اور عاشقی ان کے مزاج میں داخل ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ مجازی (شغل بہتر ہے عشقبازی کا ـــ کیا حقیقی و کیا مجازی کا) لیکن وہ ایک صوفی بھی ہیں اور ایک معروف سلسلۂ تصوف میں بیعت۔ اس لیے ان کے کلام میں تصوف کے مضامین بھی ملتے ہیں۔ بلکہ وہ کبھی کبھی تو عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا پردہ قرار دیتے ہیں۔

وہ فلسفۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ دیگر صوفیا کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات تو اصلی ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ اسی کی پرچھائیں ہے۔ ہم ان پرچھائیوں میں الجھ کر رہ جائیں اور اصل شے کو نہ دیکھ سکیں تو یہ ہماری نظر کا قصور ہے ورنہ اس کا حسن تو ہر طرف بے نقاب ہے۔ دیکھیے اس مضمون کے چند شعر ـــــ

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

ہوا ہے مجھ پہ شمعِ بزمِ یک رنگی سے یو روشن کہ ہر ذرے اُپر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد طالبِ عشق ہوا پردۂ انسان میں آ

شاعری دراصل ان تجربات کا اظہار ہے جن سے شاعر دوچار ہوتا ہے۔ یہ تجربات جتنے گوناگوں اور جتنے اہم ہوں گے شاعری اتنی ہی بلند رتبہ ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا اظہار بھی سلیقہ مندی سے ہوا ہو۔ ولی اپنے تجربات کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں مگر ان کے تجربات کا دائرہ محدود ہے۔ وہ عشقِ مجازی کے دائرے سے باہر قدم مشکل ہی سے رکھتے ہیں۔ بہت ہوا تو عشقِ حقیقی کی کیفیت کا بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ گنتی کے محض چند مضامین ہیں جو ان کے کلام میں نظر آتے ہیں مثلاً چند عام سی نصیحتیں، دنیا کی ناپائداری کا ذکر، اور افلاس جیسی لعنت کی مذمت [illegible]

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

مثالیں ——

ہر اک سوں مل، متواضع ہو، سروری یہ ہے
سنبھال کشتیِ دل کوں، قلندری یہ ہے

نکال خاطرِ فاتر سوں جامِ جم کا غم
صفا کر آئنۂ دل، سکندری یہ ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

موضوعات کی یہ تنگ دامانی ولی کو میر و غالب کے ہم پلہ نہیں ہونے دیتی۔ ان کی شاعری اپنی تمام رعنائی و دلکشی کے باوجود عظیم شاعری کہلانے کی مستحق نہیں۔ سبب یہ کہ ان کی شاعری کا کینوس نہایت مختصر ہے۔

کلامِ ولی کی اصل خوبی ہے رعنائیِ بیان۔ کامیاب شاعر اپنے تجربے یعنی اپنے دل پر گزری ہوئی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ پرکشش انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے مختلف تدبیروں سے کام لیتا ہے۔ انھیں فنی تدابیر یا شعری تدابیر کہا جا سکتا ہے۔ آیئے دیکھیں ولی کن کن فنی تدابیر کا سہارا لیتے ہیں۔

ولی کو حسین اور رنگین تصویریں بنانے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ مصور رنگوں سے تصویر بناتا ہے۔ تصویر شاعر بھی بناتا ہے مگر اس کا میڈیم یعنی ذریعۂ اظہار مختلف ہے۔ اس کی تصویر لفظوں سے بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ فنی تدبیر امیجری یا پیکر تراشی کہلاتی ہے۔ ولی کو پیکر تراشی کا فن خوب آتا ہے۔ ان کا دیوان بے شمار رنگین تصویروں کا البم ہے اور ان میں زیادہ تر جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تشبیہ اور استعارہ تصویر کشی میں بہت معاون ہوتے ہیں۔ مثلاً جب شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب اپنے گھر سے ادا و ناز کے ساتھ اس طرح اٹھلاتا ہوا نکل کے آتا ہے جیسے سورج مشرق سے نکل کے آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بڑھتا ہے، تو بات صاف ہو جاتی ہے یعنی ولی کے محبوب کا چہرہ سورج کی طرح دمکتا ہے۔ دوسرے وہ سورج کی طرح سست خرام ہے۔ اتنے آہستہ چلتا ہے کہ چلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ گویا شاعر نے مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔ اور اب دیکھیے ولی کا شعر ——

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

جس غزل کا یہ شعر ہے اس کے باقی تمام اشعار میں بھی پیکر تراشی کا کمال نظر آتا ہے۔ اسی غزل کے دو اور شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں ——

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

وَلی! مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یارِ بے پروا ‏ ‏ ‏ کہ جیوں انکھیاں منیں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

کلام وَلی کی دوسری اہم خصوصیت ہے موسیقی۔ ان کے زیادہ تر شعر ایسے ہیں کہ انھیں پڑھیے تو ایک دل کش ترنم پیدا ہوتا ہے۔ وہ غزل جس کی ردیف "آہستہ آہستہ" ہے اس کی ایک مثال ہے۔ ان کا دیوان ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

شاعری میں جس طرح مصوری یعنی پیکر تراشی ضروری ہے اسی طرح موسیقی یا ترنم بھی ضروری ہے۔ موسیقیت کے بغیر شعر میں دلکشی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ وَلی اس راز سے واقف ہیں اور کوشش کر کے اپنے شعروں کو زیادہ سے زیادہ مترنم بناتے ہیں۔ کولرج نے کہا ہے کہ لفظوں کی بہترین ترتیب نثر ہے اور بہترین لفظوں کی بہترین ترتیب شعر۔ ابتدائی زمانے کے کلام سے قطع نظر، وَلی بہترین لفظوں کے انتخاب اور ان کی بہترین ترتیب کی اہمیت سے واقف نظر آتے ہیں۔ وہ مترنم بحروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ بالعموم وہ ایسی ردیفیں اختیار کرتے ہیں جن سے موسیقی پیدا ہو۔ لفظوں کی ترتیب میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ہر لفظ ایسے مقام پر واقع ہو جس سے حسب دلخواہ اثر بھی پیدا ہو اور خوش آہنگی میں بھی اضافہ ہو مثلاً ـــــ

ہر اک سوں مل متواضع ہو، سروری یہ ہے ‏ ‏ ‏ سنبھال کشتیِ دل کوں، قلندری یہ ہے

یہاں لفظ "یہ" سے زور پیدا ہو رہا ہے، معنی مطلوب ادا کرنے میں سہولت ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ شعر کی موسیقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تکرارِ الفاظ سے بھی وَلی نے خاص طور پر کام لیا ہے۔ دیکھیے چند مثالیں۔

رات دن جگ میں رفیقِ بے کساں ‏ ‏ ‏ بے کسی ہے، بے کسی ہے، بے کسی

مست ہونا عشق میں تیرے صنم! ‏ ‏ ‏ ناکسی ہے، ناکسی ہے، ناکسی

شرابِ شوق سیں سرشار ہیں ہم ‏ ‏ ‏ کبھو بے خود، کبھو ہشیار ہیں ہم

وَلی وصل و جدائی سوں صنم کی ‏ ‏ ‏ کبھو صحرا، کبھو گلزار ہیں ہم

ولی کا ایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فارسی کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ کا استعمال نہایت ہنرمندی سے کیا اور بقولِ آزاد "ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا ہے کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے ہیں مگر پیوند میں جنبش نہیں آئی۔" اس کے ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی تہذیب بھی اردو شاعری میں داخل ہو گئی مگر افسوس ایک مختصر سی مدت کے لیے۔

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

ولی کے بعد یہ اردو شاعری کی روایت نہ بن سکی، ورنہ یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ ہمارے شاعر نسرین و نسترن اور سنبل و ریحان پر تو فریفتہ رہے اور چمپا، چنبیلی، موتیا، گلاب کی بو باس انھیں متوجہ نہ کر سکی۔ دجلہ و فرات انھیں لبھاتے رہے اور گنگا جمنا کی کشش انھیں نظر نہ آئی۔ دیکھیے اب کلام ولی میں ہندی الفاظ کا استعمال اور ہندی تہذیب کی تصویر کشی ——

اندوہ و غم کی بات ترے باج بن گئی — آواز میری آہ کی پھر تا گگن گئی
سرمے کا منھ سیاہ کیا اس نے جگ منیں — جس کے نین میں پیو کی خاکِ چرن گئی
اب لگ ولی پیا نے دکھایا نہیں درس — جیوں شمع، انتظار میں ساری رین گئی
کوچۂ یار عین کاسی ہے — جوگی، دل وہاں کا باسی ہے!
اے صنم! تجھ جبیں اُپر یہ خال — ہندوے ہر دوار باسی ہے
زلف تیری ہے موج جمنا کی — تل نزک اس کے جیوں سناسی ہے

ولی کے کلام میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن کا استعمال برسوں پہلے ترک کر دیا گیا اور جنھیں آج متروک کہا جاتا ہے لیکن ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں ——

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا — ہے مطالعہ مطلعِ انوار کا
چاہتا ہے اس جہاں میں گر بہشت — جا، تماشا دیکھ اس رخسار کا
اے ولی کیوں سن سکے ناصح کی بات — جو دِوانا ہے پری رخسار کا

محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعر بالکل آج کی زبان میں کہے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے اشعار میں جو شعری تجربات پیش ہوئے ہیں وہ بھی تر و تازہ ہیں۔ اسی میں ولی کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ یقین ہے کہ ان کے کلام کی دلکشی صدیوں قائم رہے گی۔

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA